نحنُ انصاراللہ

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ
حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ
وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ

(البقرة: 262)

© www.pexels.com

جون 2026ء، ذی الحجّہ، محرم 48-1447ھ، احسان 1405ہش
www.nahnuansarullah.ca

نگران

شاہد منصور صدر مجلس انصار اللہ کینیڈا

مدیرِ اعلیٰ

سہیل احمد ثاقب نائب صدر مجلس انصار اللہ کینیڈا

مینیجر

محمد موسیٰ قائد اشاعت مجلس انصار اللہ کینیڈا

مدیران

غلام مصباح بلوچ قائد تربیت و نائب صدر مجلس انصار اللہ کینیڈا،
امتیاز احمد سراء، معتز القزق

معاونین

کاشف بن ارشد نائب قائد اشاعت مجلس انصار اللہ کینیڈا،
مسعود احمد نائب قائد اشاعت مجلس انصار اللہ کینیڈا

خصوصی دعاؤں کی تحریک

امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ایک رؤیا کی روشنی میں احباب جماعت کو خصوصی دعاؤں کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا: اگر احباب جماعت مندرجہ ذیل دعاؤں کا ورد کریں گے تو ایک محفوظ قلعے میں محفوظ ہو جائیں گے جہاں شیطان کبھی داخل نہیں ہوسکتا۔ اس قلعے کی دیواریں لوہے کی ہیں اور آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ پس کوئی سوراخ ایسا نہیں رہے گا جہاں سے شیطان حملہ کر سکے۔

نمبر 1: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیمِ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

ہر بڑا فرد جماعت 200 دفعہ روزانہ پڑھے۔

15 سے 25 سال کے ممبران جماعت (کم از کم) 100 دفعہ روزانہ پڑھیں

بچے (کم از کم) 33 دفعہ روزانہ پڑھیں - چھوٹی عمر کے بچے تین، چار دفعہ روزانہ (والدین پڑھائیں)

نمبر 2: استغفار (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّي مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ)-

100 دفعہ روزانہ

حضور انور نے فرمایا: اسی طرح میں یہ بھی شامل کرتا ہوں

نمبر 3: رَبِّ کُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِي وَانْصُرْنِي وَارْحَمْنِي

100 دفعہ روزانہ

حضور انور ایدہ اللہ نے مزید فرمایا: ان دنوں میں جبکہ شیطان ہر حیلے سے بحیثیت جماعت بھی اور مجموعی طور پر ہمارے پر حملے کرنے کی کوشش کر رہا ہے، عمومی طور پر دنیا میں بھی اس سے بچنے کے لیے ایک ہی ذریعہ ہے کہ خاص طور پر دعاؤں پر زور دیں اور صرف جلسے کے دنوں میں نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے یہ درود شریف اور ذکر الٰہی، یہ ورود اپنی زندگیوں کا حصہ بنالیں اور اس پر ہر ایک کو، بچے کو، بڑے کو، عورت کو، مرد کو، سب کو توجہ دینی چاہیے۔

(خطبہ جمعہ 23 اگست 2024)

بین الاقوامی اشاعت حوالہ نمبر ISSN 2560-886X (Print) ISSN 2560-8878 (Online)

رابطہ : editor@ansar.ca / ishaat@ansar.ca / Tel: 905-417-1800

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

01 قال اللہ عزّ وجل

02 قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

03 کلام المہدی علیہ السلام

04 کلام الامام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

05 فارسی منظوم کلام
حضرت مسیح موعود علیہ السلام

06 مبلغین احمدیت
قسط دوم آخر
حضرت مولانا غلام حسین ایاز صاحب مبلغ سلسلہ سنگاپور

10 سید القوم خادمھم
ڈاکٹر بشارت الٰہی جمیل

13 مجلس انصار اللہ
وان نارتھ ایسٹ
کا لوکل اجتماع کا انعقاد

16 زاوية العرب

قال اللہ عزّ وجل

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۲﴾

(سورۃ البقرۃ آیت نمبر 262)

ترجمہ بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع:

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسے بیج کی طرح ہے جو سات بالیں اُگاتا ہو۔ ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے (اس سے بھی) بہت بڑھا کر دیتا ہے۔ اور اللہ وسعت عطا کرنے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔

تفسیر: حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں:

”وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ بعض مقام پر ایک کے بدلہ دس اور بعض میں ایک کے بدلہ سات سو کا مذکور ہے۔ یہ ضرورت، اندازہ، وقت و موقع کے لحاظ سے فرق ہے۔... رابعہ کا ایک قصہ لکھا ہے کہ ان کے گھر میں بیس آدمی مہمان آ گئے گھر میں صرف دو روٹیاں تھیں آپ نے اپنی جاریہ سے کہا۔ جاؤ کہ یہ فقیر کو دے دو۔ اس نے دل میں کہا کہ زاہد عابد بیوقوف بھی پرلے درجے کے ہوتے ہیں دیکھو گھر میں مہمان ہیں اگر انہیں ایک ایک ٹکڑہ دے تو بھی بھوکے رہنے سے بہتر ہے اور ان مہمانوں کو یہ بات بری معلوم ہوئی لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ رابعہ کا کیا مطلب ہے۔ تھوڑی دیر ہوئی تو ایک ملازمہ کسی امیر عورت کی 18 روٹیاں لائی۔ رابعہ نے انہیں واپس دے کر فرمایا کہ یہ ہمارا حصہ ہرگز نہیں۔ واپس لے جاؤ۔ اس نے کہا نہیں، میں بھولی نہیں۔ مگر رابعہ نے یہ اصرار کیا کہ نہیں یہ ہمارا حصہ نہیں۔ ناچار وہ واپس ہوئی۔ ابھی دہلیز میں قدم رکھا ہی تھا کہ مالکہ نے چلا کر کہا کہ تو اتنی دیر کہاں رہی۔ یہ تو دو قدم پر اس کا گھر ہے۔ ابھی تو رابعہ بصری کا حصہ پڑا ہے چنانچہ پھر اسے بیس روٹیاں دیں جو وہ لائی تو آپ نے بڑی خوشی سے لے لیں کہ واقعی یہ ہمارا حصہ ہے۔ اس وقت جاریہ اور مہمانوں نے عرض کیا کہ ہم اس نکتہ کو سمجھے نہیں۔ فرمایا۔ جس وقت تم آئے تو میرے پاس دو روٹیاں تھیں۔ میرے دل میں آیا کہ آؤ پھر مولیٰ کریم سے سودا کر لیں اس وقت میرے مطالعہ میں یہ آیت تھی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اس لحاظ سے دو کی بجائے بیس آنی چاہیے تھیں۔ یہ اٹھارہ لائی تو میں سمجھی کہ میں نے تو اپنے مولیٰ سے سودا کیا ہے وہ تو بھولنے والا نہیں۔ پس یہی بھولی ہے۔ آخر یہ خیال سچ نکلا۔ یہ بات واقعی ہے کہانی قصہ نہیں۔ میں نے خود بارہا آزمایا ہے۔ مگر خدا کا امتحان مت کرو۔ اُس کو تمہارے امتحانوں کی کیا پرواہ ہے۔ خدا کے قول کا علم عام کھیتی باڑی سے ہو سکتا ہے۔ بیج ڈالا جاتا ہے تو اس کے ساتھ کیڑے کھانے کو موجود، پھر جانور موجود، پھر ہزاروں بلائیں ہیں، ان سے بچ کر آخر اس دانے کے سینکڑوں دانے بنتے ہیں۔ اسی طرح جو خدا کی راہ میں بیج ڈالا جاوے وہ ضائع نہیں جاتا۔

اب اس سوال کا جواب تو ہو گیا کہ کیوں دے؟ اب بتاتا ہے کس طرح دے؟ اول تو یہ کہ محض اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ دے۔ احسان نہ جتائے۔ بعض لوگ ملاں کو کہتے ہیں ہماری روٹیوں کا پلا ہوا۔ تو یہ حد درجہ کی سفاہت و کمینگی کی بات ہے۔ دوم کسی کو تکلیف نہ دے۔“

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد 8 نمبر 28 مورخہ 20 مئی 1909ء صفحہ 49) (حقائق الفرقان جلد اول صفحہ 609 تا 610)

قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ ، يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يَقُولُ :'' كُلُّ امْرِئٍ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ''

(مسند احمد بن حنبل مسند عقبہ بن عامر جلد 5 صفحہ 89، ایڈیشن 1998ء)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن حساب کتاب ختم ہونے تک انفاق فی سبیل اللہ کرنے والا اللہ کی راہ میں خرچ کیے ہوئے اپنے مال کے سائے میں رہے گا۔

تشریح: حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''اللہ کی راہ میں اپنے پاک مالوں سے خرچ کریں حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حساب کتاب ختم ہونے تک انفاق سبیل اللہ کرنے والا اللہ کی راہ میں خرچ کئے ہوئے اپنے مال کے سایہ میں رہے گا۔ (مسند احمد بن حنبل)

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ خرچ کیا ہوا مال پاک ہو، پاک کمائی میں سے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اتنے اجر اگر لینے ہیں اور اپنے مال کے سائے میں رہنا ہے تو گند سے تو اللہ تعالیٰ ایسے اعلیٰ اجر نہیں دیا کرتا۔ اور جن کا مال گندہ ہوا ایسے لوگ اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرنے والے نہیں ہوتے اور اگر کہیں خرچ کر بھی دیں اگر لاکھ روپیہ جیب میں ہے اور ایک روپیہ نکال کر بھی دیں گے تو سو آدمیوں کو بتائیں گے کہ میں نے نیکی کی ہے۔ لیکن نیک لوگ، دین کا درد رکھنے والے لوگ، جن کی کمائی پاک ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی بڑی قدر کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ:

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک کھجور بھی پاک کمائی میں سے اللہ کی راہ میں دی۔ اور اللہ تعالیٰ پاک چیز کو ہی قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کھجور کو دائیں ہاتھ سے قبول فرمائے گا اور اسے بڑھاتا چلا جائے گا یہاں تک کہ وہ پہاڑ جتنی ہوجائے گی۔ جس طرح تم میں سے کوئی اپنے چھوٹے سے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک بڑا جانور بن جاتا ہے۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ من کسب طیب) آج جماعت میں ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ان کے بزرگوں نے تکلیفیں اٹھا کر اپنی پاک کمائی میں سے جو قربانیاں کیں اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلوں کے اموال و نفوس میں بے انتہاء برکت ڈالی۔''

(خطبہ جمعہ 9 جنوری 2004ء)

کلام المہدی علیہ السلام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”تمہارے لئے ممکن نہیں کہ مال سے بھی محبت کرو اور خدا تعالیٰ سے بھی۔صرف ایک سے محبت کر سکتے ہو۔ پس خوش قسمت وہ شخص ہے کہ خدا سے محبت کرے اور اگر کوئی تم میں سے خدا سے محبت کر کے اس کی راہ میں مال خرچ کرے گا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اس کے مال میں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ برکت دی جائے گی۔ کیونکہ مال خود بخود نہیں آتا بلکہ خدا کے ارادہ سے آتا ہے۔ پس جو شخص خدا کے لئے بعض حصہ مال کا چھوڑتا ہے وہ ضرور اسے پائے گا۔ لیکن جو شخص مال سے محبت کر کے خدا کی راہ میں وہ خدمت بجا نہیں لاتا جو بجالانی چاہئے تو وہ ضرور اس مال کو کھوئے گا۔ یہ مت خیال کرو کہ مال تمہاری کوشش سے آتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور یہ مت خیال کرو کہ تم کوئی حصہ مال کا دے کر یا کسی اور رنگ سے کوئی خدمت بجالا کر خدا تعالیٰ اور اس کے فرستادہ پر کچھ احسان کرتے ہو بلکہ یہ اس کا احسان ہے کہ تمہیں اس خدمت کے لئے بلاتا ہے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تم سب مجھے چھوڑ دو اور خدمت اور امداد سے پہلوتہی کرو تو وہ ایک قوم پیدا کر دے گا کہ اس کی خدمت بجالائے گی۔تم یقیناً سمجھو کہ یہ کام آسمان سے ہے اور تمہاری خدمت صرف تمہاری بھلائی کے لئے ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم دل میں تکبر کرو اور یہ خیال کرو کہ ہم خدمت مالی یا کسی قسم کی خدمت کرتے ہیں۔ میں بار بار تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تمہاری خدمتوں کا ذرہ محتاج نہیں۔ ہاں تم پر یہ اس کا فضل ہے کہ تم کو خدمت کا موقعہ دیتا ہے۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 497-498)

کلام الامام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

”یہ زمانہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ ہے اس میں ایک جہاد مالی قربانیوں کا جہاد بھی ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ اسلام کے دفاع میں لٹریچر شائع ہوسکتا ہے، نہ قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہو سکتے ہیں، نہ یہ ترجمے دنیا کے کونے کونے میں پہنچ سکتے ہیں۔ نہ مشن کھولے جا سکتے ہیں، نہ مربیان، مبلغین تیار ہو سکتے ہیں اور نہ مربیان، مبلغین جماعتوں میں بھجوائے جا سکتے ہیں۔ نہ ہی مساجد تعمیر ہوسکتی ہیں۔ نہ ہی سکولوں، کالجوں کے ذریعہ سے غریب لوگوں تک تعلیم کی سہولتیں پہنچائی جا سکتی ہیں۔ نہ ہی ہسپتالوں کے ذریعہ سے دکھی انسانیت کی خدمت کی جا سکتی ہے۔ پس جب تک دنیا کے تمام کناروں تک اور ہر کنارے کے ہر شخص تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچ جاتا اور جب تک غریب کی ضرورتوں کو مکمل طور پر پورا نہیں کیا جاتا اس وقت تک یہ مالی جہاد جاری رہنا ہے۔ اور اپنی اپنی گنجائش اور کشائش کے لحاظ سے ہر احمدی کا اس میں شامل ہونا فرض ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غریب اپنی طاقت کے لحاظ سے خرچ کرتا تھا اور امیر اپنی وسعت کے لحاظ سے خرچ کرتا تھا۔ غریب صحابہ بھی بے چین رہتے تھے کہ کاش ہمارے پاس بھی مال ہو تو ہم بھی خرچ کریں۔ جب جہاد کے لئے جانے کے لئے، باوجود ان کی خواہش کے، مالی تنگی اور سامان کی کمی کی وجہ سے ان کو پیچھے رہنا پڑتا تھا تو ان کی آنکھیں آنسو بہاتی تھیں اور ان کے دل بے چین ہوتے تھے۔ اور یہ اتنی سچی بے چینی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جو دلوں کا حال جاننے والا ہے اس نے بھی یہ گواہی دی کہ یہ بے چین دل اور آنسو بہاتی آنکھیں بناوٹ نہیں تھیں بلکہ حقیقت میں ان کی یہ کیفیت ہوتی تھی۔

اللہ کرے کہ آج ہماری قربانیوں کی تڑپ بھی اسی طرح سچی تڑپ ہو جس طرح پہلوں کی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے ساتھ ملاتے ہوئے پاک نمونے قائم کرنے کی توفیق دے۔“

(خطبہ جمعہ 31/ مارچ 2006ء مطبوعہ خطبات مسرور جلد چہارم صفحہ 171 - 172)

© www.pexels.com

فارسی منظوم کلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

© www.pexels.com

به دنیا کسے دل به بندد چرا
که ناگاه باید شدن زین سرا
کوئی اس دنیا سے کیوں دل لگائے جبکہ اچانک ایک دن اس سرائے سے کوچ کرنا ہے

سرانجام این خانه رنج ست و درد
به پیچش نیایند مردان مرد
اس گھر کا انجام رنج و درد ہے۔ مرد لوگ اس کے داؤ میں نہیں آتے

بدین گِل میالائے دل چون خسے
که عہدِ بقایش نماند بسے
اس کیچڑ سے کمینوں کی طرح دل کو آلودہ نہ کر کہ اس کے ٹھہرنے کا زمانہ دیر تک نہیں رہتا

زمان مکافات آید فراز
تو بر عیش دنیا بدین سان مناز
جزا کا دن آرہا ہے۔ پس تو دنیا کی زندگی پر ناز نہ کر

فریبی مخور از زر و سیم و مال
که ہر مال را آخر آید زوال
سونے، چاندی اور مال سے دھوکہ نہ کھا کیونکہ آخر ہر مال پر زوال آجاتا ہے

نه آورده ایم و نه با خود بریم
تہی آمدیم و تہی بگذریم
نہ ہم کچھ ساتھ لائے اور نہ ساتھ لے جائیں گے خالی ہاتھ آئے تھے اور خالی ہاتھ چلے جائیں گے

الا تا نه تابی سر از روئے دوست
جہانے نیرزد بیک موئے دوست
خبردار! دوست کی طرف سے منہ نہ موڑ۔ سارا جہان دوست کے ایک بال کی برابری نہیں کرسکتا

مبلغین احمدیت
قسط دوم آخر

حضرت مولانا غلام حسین ایاز صاحب۔ مبلغ سلسلہ سنگاپور

1934ء میں تحریک جدید کے اجراء کے بعد جب حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کی سکیم بنائی تو تحریک جدید کے ابتدائی مبلغین میں حضرت مولانا غلام حسین ایاز صاحب کا تقرر سنگاپور میں فرمایا۔

آپ کو سنگاپور آئے پانچ سال ہو گئے تھے کہ 1939ء میں دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوگیا اور جاپان نے چند مہینوں میں سنگاپور سمیت جزائر الشرق کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا اور مصائب و شدائد کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ آپ پر بھی جاپانیوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کے الزام میں بہت سی سختیاں کی گئیں۔ جاپانی فوجوں کے علاوہ شریر مخالفین نے بھی آپ پر مظالم ڈھائے اور کئی روز گھر میں بند کر کے خوراک اور دیگر ضروریات زندگی سے محروم رکھا۔ یہ عرصہ نہایت ہی کٹھن اور صبر آزما تھا لیکن آپ نے بفضلہٖ تعالیٰ نہایت صبر اور ہمت سے ان مصائب کا مقابلہ کیا۔شدید فاقوں اور سختیوں کی وجہ سے آپ کی صحت بہت گر گئی اور بیمار ہو گئے۔ ان پُرخطر حالات میں آپ کا مرکز سے رابطہ بھی ختم ہوگیا بلکہ جنگی حالات کی وجہ سے بیرونی رابطے کی کوئی صورت بھی باقی نہ رہی۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ جمعہ 20/مارچ 1942ء میں فرمایا:

”ہمارا ایک مبلغ سنگاپور میں تھا اور ہمارے آٹھ نو مبلغ سماٹرا اور جاوا میں تھے۔ اب سب کے متعلق جب تک جنگ کا خاتمہ نہ ہو جائے، ہمیں کچھ علم نہیں ہوسکتا کہ اُن کا کیا حال ہے۔“(الفضل 29/مارچ 1942ءصفحہ 1)

ایک سال بعد جولائی 1943ء کے پہلے عشرہ میں ریڈ کراس شملہ نے ریڈیو کا پیغام سنا اور اس کی اطلاع جماعت احمدیہ کو دی کہ مولوی غلام حسین ایاز مبلغ سنگاپور اور وہاں کے دوسرے احمدی صحیح سالم ہیں۔ (الفضل 13/جولائی 1943ء صفحہ 1)

ان خوف وخطر کے ایام میں بھی آپ کو اپنے سے زیادہ حضرت خلیفۃ المسیح کی خیر و عافیت کی فکر تھی چنانچہ بجائے اپنی حالت زار لکھنے کے آپ نے 16/اکتوبر 1945ء کو حضرت امیر المومنین کی خدمت میں بذریعہ تار لکھا: ”جماعت احمدیہ سنگاپور خیر و عافیت سے ہے، البتہ ہمیں حضور کی خیر و عافیت معلوم کرنے کی بہت فکر ہے۔ ہم سب حضور سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ ایاز۔“ (الفضل 19/اکتوبر 1945ءصفحہ 2)

آپ نے ان پُرخطر حالات میں بھی مضطرانہ دعاؤں کے ساتھ تبلیغ کا کام جاری رکھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں کے ناکام رہنے اور آپ کے سرخرو ہونے کی بشارات بھی دیں۔حضرت ڈاکٹر حافظ بدر الدین احمد صاحب مبلغ بورنیو نے لکھا ہے: ”مجھے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ انہی ناکامی کے دنوں میں دعاؤں کے بعد ایک روز یہ فقرہ زبان پر جاری ہوا تھا کہ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَكَ ۔ فرماتے تھے کہ قرآن کریم میں تو اَخْبَارَھَا ہے مگر یہاں اَخْبَارَكَ کہا گیا ہے جس سے اس عاجز کی تبلیغی کامیابی مراد تھی۔“ (الفضل 30/اکتوبر 1959ءصفحہ 3)

چنانچہ ایسا ہی ہوا، وہ شریر لوگ جو آپ کو بڑی بے رحمی سے زد و کوب کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے جاپانیوں کے ہاتھوں سب کو چن چن کر ٹھکانے لگا دیا اور آپ کی تبلیغ کے راستے صاف کر دیئے۔ اسی جنگی صورتحال میں اتحادی فوجیں سنگاپور اور ملایا کے دیگر علاقوں میں پہنچیں جن میں برٹش آرمی کے دستے بھی تھے، انڈیا سے جانے والے ان

فوجی دستوں میں احمدی احباب بھی شامل تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ایک احمدی جہاں بھی ہو وہ ضرور احمدیہ سنٹر سے رابطہ رکھتا ہے پھر بھی آپ نے آسانی کی خاطر بذریعہ اخبار احمدیہ مسجد کا پتا درج کر کے باہر سے آنے والوں کو مشن ہاؤس آنے کی دعوت دی اور لکھا:

"All Ahmadis from overseas are cordially invited."

(اخبار The Straits Times میں چھپنے والا آپ کا اعلان)

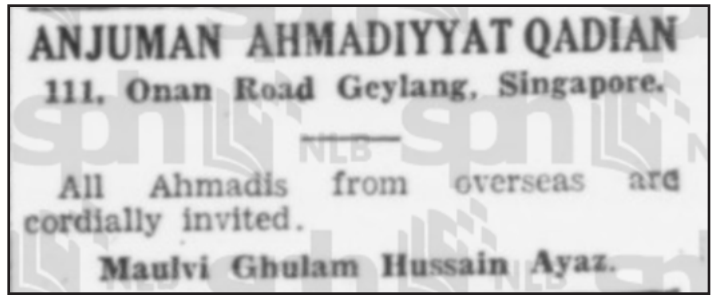

ANJUMAN AHMADIYYAT QADIAN
111, Onan Road Geylang, Singapore.

All Ahmadis from overseas are cordially invited.
Maulvi Ghulam Hussain Ayaz.

ایک فوجی جنگی حالات کی دشواریوں سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ جب احمدی احباب آپ سے ملے تو وہ حیران ہو گئے کہ ان مشکل اور پُرفتن حالات میں آپ نے کیسے گزارا کیا۔ ایک احمدی دوست مکرم محمد نصیب عارف صاحب آف فیروز پور شہر نے اپنے ایک مضمون میں لکھا:

"سنگاپور کے مبلغ مولوی غلام حسین صاحب ایاز بھی ان پُر جوش مجاہدین میں سے ایک ہیں جن کا "قابل رشک اخلاص اور تبلیغی انہماک" ایک والہانہ رنگ رکھتا ہے... مارچ 1941ء میں جب یہ عاجز سنگاپور پہنچا تو چند دوستوں کے ساتھ دار التبلیغ میں گیا۔ مولوی صاحب نے اپنی تبلیغی مساعی کا ذکر جس رنگ میں کیا وہ انگشت بدنداں کر دینے والا تھا۔ کس طرح اُن کو احمدیت کی تبلیغ کے لیے تکالیف سہنی پڑیں... مولوی صاحب کا کئی کئی دن مکان کے اندر ہی بند رہنا اور خوراک و دیگر ضروریات کے لیے تنگ ہونا بہت تکالیف کا باعث ہوا... جناب مولوی صاحب نے اس عرصہ میں اپنی تبلیغ جاری رکھی اور جماعت کی تنظیم کا کام بھی کرتے رہے۔ سینکڑوں ملائی اس وقت احمدیت کی آغوش میں آ چکے ہیں۔ آپ کی انتھک کوششیں احمدیت کا نام محض خدا تعالیٰ کے فضل سے اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعاؤں کے طفیل پھیلا رہی ہیں۔ جناب مولوی صاحب کو ایک عرصہ گھر سے جدا ہوئے ہو گیا ہے مگر چلتے وقت جب ہم نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو آپ نے فرمایا "حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی اجازت کے بغیر ایک قدم بھی یہاں سے ہلانا اپنے لیے معصیت سمجھتا ہوں۔"

آپ نے احمدی دوستوں کی واپسی پر انہیں اتنا بھی نہ کہا کہ میرا فلاں پیغام میرے گھر والوں کو پہنچا دینا بلکہ کہا تو یہ کہا کہ حضور ایدہ اللہ کو میرا سلام دینا اور یہاں کی میری تبلیغی مساعی کے لیے دعا کی درخواست کرنا۔" (الفضل 19/دسمبر 1945ء صفحہ 4،5)

ایک انڈین مسلمان دوست محترم محمد یونس فاروق صاحب جو اپنی فوجی ملازمت کے سلسلے میں سنگاپور بھیجے گئے تو حسن اتفاق سے وہ احمدیہ مسجد آئے اور مولانا ایاز صاحب کی تبلیغ اور حسن سلوک سے متأثر ہو کر دامن احمدیت سے وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے واپس آ کر ایک تفصیلی خط حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں لکھا جس میں لکھا:

"جناب مولوی غلام حسین صاحب ایاز مبلغ سنگاپور کی جدو جہد کا میرے دل پر بہت اثر ہوا۔ موصوف نے خدمت دین میں اتنی محنت اٹھائی ہے کہ قبل از وقت بوڑھے ہو گئے ہیں ... بیمار رہنے کے باوجود تبلیغی مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ صبح چار بجے سے لے کر رات کے گیارہ بارہ بج جاتے ہیں، اس عرصہ میں موصوف کو گھڑی بھر کی بھی فرصت نہیں ملتی کہ ذرا آرام کر لیں۔ دن بھر کبھی تو سلسلہ کے لٹریچر کا ملائی زبان میں ترجمہ ہو رہا ہے، کبھی مضمون تیار ہو رہا ہے اس کے علاوہ دن بھر سوالات اور اعتراضات کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے اور ان کو سمجھانے میں گھنٹوں مغزنی کرنی پڑتی ہے۔ ملایا کے احمدی بچوں کی تعلیم و تربیت بھی خود ہی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوگوں کے گھروں میں جا کر بھی تبلیغ کی جاتی ہے ... مولوی صاحب کے جاپانی قبضہ کے زمانہ کے کارنامے معجزات سے کم نہیں۔" (الفضل 17/جون 1946ء صفحہ 4)

ایک اور احمدی دوست نے عید الاضحیٰ 1945ء کی تقریب کا احوال تحریر کر کے حضورؓ کی خدمت میں لکھا:

"مولوی غلام حسین صاحب ایاز مبلغ کے لیے بے اختیار دعا نکلتی تھی جن کی تبلیغی کوششوں کو خدا تعالیٰ نے کامیاب کیا اور یہ سعید روحیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہوئیں ... مولوی صاحب نے تمام دوستوں کو دعوت طعام دی جس کا انتظام انہوں نے ایک احمدی ہوٹل والے کے ہاں پہلے سے کر رکھا تھا۔ دعوت کا بہت اچھا انتظام تھا ... پیارے آقا! مکرم مولوی صاحب کی صحت کے لیے دعا کی ضرورت ہے ... گذشتہ سالوں میں جاپان کی حکومت ... کی وجہ سے مولوی صاحب پر بہت سختیاں کی گئیں اور خوراک کی خرابی کی وجہ سے صحت بہت گر گئی تھی۔ مگر بفضل خدا گذشتہ دو ماہ میں صحت نے کافی ترقی کی ہے۔" (الفضل 23/نومبر 1945ء صفحہ 5)

آپ کے صبر، حوصلہ، قناعت اور استقلال کے متعلق جہاں اپنوں نے خراج تحسین پیش کیا وہاں غیر از جماعت دوستوں نے بھی اس کی گواہی دی۔ پاکستان کے نامور شاعر جناب سید ضمیر حسین جعفری بھی 1945ء میں اتحادی فوجوں کے ساتھ سنگاپور جانے

والوں میں شامل تھے، انہوں نے بھی محترم مولانا ایاز صاحب کو بہت قریب سے دیکھا، 1948ء میں وہ واپس پاکستان آئے تو آتے ہی ایڈیٹر الفضل کے نام ایک ہمدردانہ خط لکھا جس میں لکھا:

’’میں حال ہی میں مشرق بعید سے آیا ہوں۔ اس دوران میں کافی عرصہ تک سنگاپور میں بھی مقیم رہا جہاں آپ کے مشن کی سرگرمیوں کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملتا رہا... جہاں تک مولوی غلام حسین ایاز صاحب کی ذات کا تعلق ہے ان کے خلاف میں ایک بات بھی نہیں کہہ سکتا۔ اپنے منصب کو وہ انتہائی ایثار و خلوص اور خاصے سلیقہ کے ساتھ انجام دے رہے ہیں بلکہ جن دشواریوں اور نامساعد حالات میں سے وہ گزر رہے تھے اگر اس پر غور کیا جائے تو ان کے استقلال، حوصلہ اور ہمت پر حیرت ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس کام کو ایک فریضۂ ایمانی سمجھ کر کر رہے ہیں... مجھے یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی تھی کہ ملایا میں کام کرنے والے آپ کے مبلغین کافی عسرت و تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

جہاں تک ان کی ذات کا تعلق ہے وہ اس قربانی کے لیے ہمارے زیادہ سے زیادہ احترام کے مستحق ہیں ان کی یہ ایثار پیشگی یقیناً دوسروں کے لیے قابل تقلید ہے...ضمناً میں یہاں ایک ذاتی تأثر کا ذکر کروں... بیرون ملک جانے سے پیشتر احمدیت کے متعلق کوئی خیال آتے ہی میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ ان کے مبلغین کے لیے تو مزے ہی مزے ہیں، دیس دیس کی سیر اور فارغ بالی کی زندگی۔ آدمی کو یہ دو چیزیں مل جائیں تو اور کیا چاہیے مگر ملایا میں مولوی غلام حسین ایاز کو دیکھ کر میری اس خوش فہمی کو سخت دھکا لگا ہے۔ میں نے دیکھا کہ یہ لوگ خاص محنت و مشقت کی زندگی گزار رہے تھے...‘‘ (الفضل 2/ جولائی 1948ء صفحہ 4)

سنگاپور میں آپ کی بے لوث قربانیوں کا آنکھوں دیکھا حال بعض دیگر دوستوں نے بھی لکھا ہے۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ المسیح کی دعاؤں کے طفیل آپ کے ذریعہ سنگاپور میں ایک مضبوط جماعت قائم کر دی۔ آپ وقتاً فوقتاً بیعتوں کی اطلاع حضور انور کی خدمت میں بھجواتے رہتے۔ ایک جگہ لکھا ہے:

’’مکرم مولوی غلام حسین صاحب ایاز نے اپنی تازہ رپورٹ میں سنگاپور سے 22 نو مبائعین کی لسٹ بھجوائی ہے۔‘‘ (الفضل 3/ اپریل 1947ء صفحہ 5)

اسی طرح اخبار الفضل 16/ مئی 1946ء صفحہ 2 پر آپ کی طرف سے بیعتوں کا اعلان یوں درج ہے:

سنگاپور میں تبلیغ احمدیت کی شاندار فتح

ستائیس اصحاب کی بیعت کا اعلان

سنگاپور ملایا میں مکرم جناب مولوی غلام حسین صاحب ایاز مجاہد احمدیت کے ذریعہ ستائیس اصحاب نے بیعت کی ہے۔ فہرست نومبائعین درج ذیل کی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے احمدیت کی ترقی کے لئے ان مقامات پر کس طرح دروازے کھول دئے ہیں۔ جہاں احمدیت کا ذکر سننا بھی کوئی پسند نہ کرتا تھا۔ اور ایسی صورت میں احمدی نوجوانوں کو میدانِ تبلیغ میں داخل ہونا کس قدر ضروری ہے۔ احباب جماعت دعا فرمائیں۔ کہ خدا تعالیٰ مکرم مولوی صاحب کو بیش از پیش کامیابی عطا کرے۔ نومبائعین کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) نظام الدین صاحب۔
(۲) محترمہ فاطمہ صاحبہ۔
(۳) این۔ بی جمال دین صاحب
(۴) محترمہ امۃ الرحمٰن صاحبہ
(۵) عبد الغفور صاحب
(۶) احمدؐ نبی صاحب
(۷) الیس عدنان صاحب
(۸) محمدؐ بخش صاحب
(۹) محمدؐ یوسف صاحب
(۱۰) محمدؐ ارشد صاحب۔
(۱۱) مصطفٰے صاحب۔
(۱۲) عبد الغنی صاحب۔
(۱۳) محمدؐ یونس فاروق صاحب
(۱۴) حاجی عبد اللہ صاحب۔
(۱۵) محمدؐ اسماعیل صاحب۔
(۱۶) عبد الحلیم صاحب۔
(۱۷) محمدؐ نور صاحب۔
(۱۸) حسن بن حاجی محمدؐ نور صاحب
(۱۹) وارث محمدؐ صاحب۔
(۲۰) سلیمان بن یوسف صاحب۔
(۲۱) حاجی صالح بن حاجی محمدؐ نور صاحب
(۲۲) عباس بن یاسین صاحب
(۲۳) صالح بن احمدؐ صاحب
(۲۴) حاجی جعفر بن حاجی مصطفٰے صاحب
(۲۵) شفیع بن حاجی طاہر صاحب
(۲۶) یاسین بن حاجی محمدؐ نور صاحب
(۲۷) احمد بن الانگ صاحب

’’ایسے علاقوں میں بھی احمدیت پھیلنی شروع ہوگئی ہے جہاں پہلے باوجود کوشش کے ہمیں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ملایا میں یا تو یہ حالت تھی کہ مولوی غلام حسین صاحب ایاز کو ایک دفعہ لوگوں نے رات کو مار مار کر گلی میں پھینک دیا اور کُتے ان کو چاٹتے رہے اور یا اَب جو لوگ ملایا سے واپس آئے ہیں انہوں نے بتایا ہے کہ اچھے اچھے مال دار ہوٹلوں کے مالک، معزز طبقہ کے ستّر اسّی کے قریب دوست احمدی ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ روز بروز ترقی کر رہا ہے۔‘‘ (الفضل 22/ جنوری 1960ء صفحہ 13)

اکتوبر 1947ء میں انڈونیشیا کے وزیر امور خارجہ Agus Salim اپنے ایک دورہ سے واپس انڈونیشیا جاتے ہوئے چند روز کے لیے سنگاپور میں بھی ٹھہرے۔ محترم غلام حسین ایاز صاحب نے بذریعہ ٹیلیفون بتایا کہ میں جماعت احمدیہ کا مبلغ ہوں اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ وزیر نے شام کو آنے کا کہا اور آپ مکرم میاں عبدالحی صاحب کو ساتھ لے کر ان کی ملاقات کے لیے گئے اور خلیفۃ المسیح کی انڈونیشیا کے لیے محبت کا ذکر فرمایا اور دیگر امور پر تفصیلی بات کی۔ (الفضل 8/ نومبر 1947ء صفحہ 3)

محترم مولانا ایاز صاحب کی سنگاپور تقرری کے دوران دیگر مبلغین بھی مختلف وقتوں میں سنگاپور آئے جن میں سے بعض کی تعیناتی آگے انڈونیشیا ہوگئی اور بعض سنگاپور اور ملائیشیا میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ سنگاپور میں احمدیہ دار التبلیغ کے قیام سے نہ صرف معاندین کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے سے لوگوں کے احمدیت کے متعلق ذہن

صاف ہوئے بلکہ ایک مخلص جماعت قائم ہوگئی۔ 1953ء میں امریکہ میں اسلامی کلچر اور عصرِ حاضر کے موضوع پر ایک کانفرنس ہوئی جس میں ملایا علاقوں میں احمدیت کے متعلق اس بات کا اظہار کیا گیا:

"Thirty years ago the doctrine of the Ahmadiyyah Movement in India were first discussed and condemned in the Malay press. Now educated Muslims in Malaya are becoming less intolerant to the more sober views and interpretations which the moderate Ahmadis are putting forward. They take the ideas, but shun the name "Ahmadi". (Colloquium on Islamic Culture in Its Relation to the Contemporary World, September, 1953 page 50)

ترجمہ: ملایا کے پریس میں سب سے پہلے جماعت احمدیہ کے اصول و عقائد تیس سال قبل زیر بحث آئے اور ان کی مذمت کی گئی لیکن اب ملایا کے پڑھے لکھے مسلمان ان سنجیدہ نظریات اور توضیحات سے کم تعصب رکھتے ہیں جو اعتدال پسند احمدیوں کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں اور گو کہ وہ احمدیوں کے خیالات اور نظریات کو اپنا رہے ہیں لیکن ''احمدی'' نام اپنانے سے گریز کرتے ہیں۔

محترم مولانا غلام حسین ایاز صاحب قادیان روانگی کے پندرہ سال بعد 24/نومبر 1950ء کو ربوہ تشریف لائے۔ پاکستان آنے کے بعد آپ نے کوئٹہ اور ضلع تھرپارکر میں بھی بطور مربی سلسلہ خدمات سرانجام دیں۔ اس کے بعد 8/اکتوبر 1956ء کو آپ دوبارہ تبلیغ اسلام کے لیے سنگاپور روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ آپ کے اہل و عیال بھی آپ کے ساتھ تھے۔ کچھ عرصہ سنگاپور میں مقیم رہنے کے بعد آپ کی تعیناتی بورنیو (Borneo) میں ہوئی۔ بورنیو آنے کے بعد آپ کی ذیابیطس کی بیماری اور بڑھ گئی اور

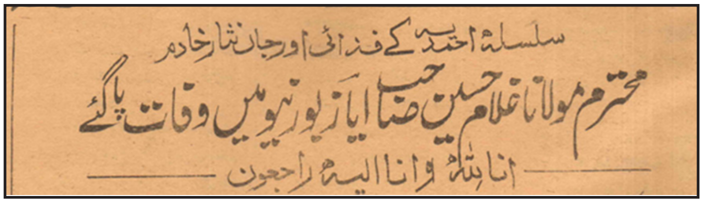
سلسلہ احمدیہ کے فدائی اور جان نثار خادم
محترم مولانا غلام حسین صاحب ایاز بورنیو میں وفات پاگئے
انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ نے 17،18 اکتوبر 1959ء کی درمیانی شب بورنیو کے علاقہ Labuan میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کی اہلیہ کا نام محترمہ امۃ الرفیق صاحبہ تھا۔ اولاد میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی بیٹی مکرم عبداللطیف ستکوہی صاحب آف لاہور سے بیاہی ہوئی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَارْفَعْ دَرَجَاتِہٖ۔

حضرت مرزا مسرور احمد، خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خطبہ جمعہ 10/ دسمبر 2010ء میں فرماتے ہیں:۔

''حضرت امام حسینؓ کا ایک مقصد تھا۔ آپ حکومت نہیں چاہتے تھے۔ آپ حق کو قائم کرنا چاہتے تھے اور وہ آپ نے کر دیا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس کی بڑی اعلیٰ تشریح فرمائی ہے کہ وہ اصول جس کی تائید میں حضرت امام حسین کھڑے ہوئے تھے یعنی انتخابِ خلافت کا حق اہلِ ملک کو ہے، جماعت کو ہے۔ کوئی بیٹا اپنے باپ کے بعد بطور وراثت اس حق پر قابض نہیں ہوسکتا۔ فرمایا کہ یہ اصول آج بھی ویسا ہی مقدس ہے جیسا کہ پہلے تھا بلکہ حضرت امام حسین کی شہادت نے اس حق کو اور بھی نمایاں کر دیا ہے۔ پس کامیاب حضرت امام حسین ہوئے نہ کہ یزید۔ (ماخوذ از 'کامیابی'۔ انوار العلوم جلد 10 صفحہ 589)

اور پھر قدرت کا ایک اور طریقے سے انتقام دیکھیں کہ کیسا بھیانک انتقام ہے۔ اس کے بارے میں بھی حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی کتاب 'خلافتِ راشدہ' میں ایک واقعہ کا ذکر کیا کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ یزید کے مرنے کے بعد جب اس کا بیٹا تخت نشین ہوا، جس کا نام بھی اپنے دادا کے نام پر معاویہ ہی تھا تو لوگوں سے بیعت لینے کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا اور چالیس دن تک باہر نہیں نکلا۔ پھر ایک دن وہ باہر آیا اور منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہنے لگا کہ میں نے تم سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی ہے مگر اس لئے نہیں کہ میں اپنے آپ کو تم سے بیعت لینے کا اہل سمجھتا ہوں بلکہ اس لئے کہ مَیں چاہتا تھا کہ تم میں تفرقہ پیدا نہ ہو اور اس وقت سے لے کر اب تک مَیں گھر میں یہی سوچتا رہا کہ اگر تم میں کوئی شخص لوگوں سے بیعت لینے کا اہل ہو تو مَیں یہ اَمارت اس کے سپرد کر دوں اور خود بری الذمہ ہو جاؤں مگر باوجود غور کرنے کے مجھے تم میں سے کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا۔ اس لئے اے لوگو! یہ اچھی طرح سُن لو کہ میں اس منصب کا اہل نہیں ہوں اور مَیں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میرا باپ اور میرا دادا بھی اس منصب کے اہل نہیں تھے۔ میرا باپ حسینؓ سے درجہ میں بہت کم تھا اور اُس کا باپ حسن حسینؓ کے باپ سے کم درجہ رکھتا تھا۔ علیؓ اپنے وقت میں خلافت کا زیادہ حق دار تھا اور اس کے بعد بہ نسبت میرے دادا اور باپ کے حسن اور حسین خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔ اس لئے میں اس امارت سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ (خلافت راشدہ، انوار العلوم جلد 15 صفحہ 557-558)

اب دیکھیں، کس طرح بیٹے نے یہ باتیں کہہ کر اپنے باپ دادا کے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ اس لئے کہ خوفِ خدا تھا۔ اس لئے کہ اس میں تقویٰ کی کچھ رمق تھی۔ دنیا داروں کے ہاں بھی نیک اولاد اور حقیقت پسند اولاد، انصاف سے کام لینے والی اولاد پیدا ہوتی ہے۔ بہرحال پھر یہ کہا کہ اب یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ جس کی چاہو بیعت کرلو۔''

© https://unsplash.com/

سید القوم خادمھم

(ڈاکٹر بشارت الٰہی جمیل ناظم اشاعت ٹورانٹو ویسٹ)

دین اسلام بنیادی طور پر ایک فعال اور فلاحی ریاست کے تصور اور قیام کی بھر پور حمایت کرتا ہے۔ دراصل اسلام سلامتی کا مظہر ہے اور بالخصوص اسلامی ریاست کے اندر حکومتی بنیادی ڈھانچے کو امن، بھائی چارہ، برابری اور انصاف کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ بلاشبہ اسلامی اور غیر اسلامی ریاستوں میں نظام حکومت اور حکمران کا انداز فکر اور فہم و فراست ریاست کے باہمی معاشی، معاشرتی اور ریاستی سیاسی معاملات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس سے نظام ریاست میں حکمران، قائد، رہنما یا لیڈر کی ذمہ داریوں اور مقام کا ہی نہیں بلکہ دیگر عمائدین ریاست کی حیثیت و اہمیت و مقام کا بھی اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ صاحب فہم اور بڑی عمر والے افراد مجھ سے قریب رہا کریں، ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی حاکم کی بہتری چاہتا ہے تو اسے سچا خیر خواہ وزیر اور مشیر عطا فرماتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قائد کے ساتھ تجربہ کار سیاسی اور حکومتی رفقا کی رہنمائی اور تجربہ بلاشبہ ریاستی انصرام کو تقویت ہی نہیں دیتے بلکہ اسکا اہم ستون بھی ہیں جسکا عملی نمونہ کل عالم پہلی اسلامی ریاست یعنی مدینہ میں دیکھ چکا ہے۔

بطور اشرف المخلوقات انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نائب و نمائندہ ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ انسان مرکزی نقطہ ہے، ایک اور جگہ فرمایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا قائمقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت ساری صفات اپنے بندے میں بھی رکھی ہیں، اور بلاشبہ یہی وہ صفات ہیں جو انسان کو باقی مخلوقات سے جدا اور بالا تر کرتی ہیں۔ اس رتبے کی موجودگی میں کسی حکمران کی ذمہ داریاں اور فرائض اور بھی بڑھ جاتے ہیں، جیسا کہ رعایا ظاہری طور پر حکمران کی رعیت ہیں اسی طرز پر اسلامی ریاست میں ایک حکمران اپنی رعایا سے متعلق حقوق و ذمہ داریوں کے حوالہ سے خدا کے حضور جوابدہ ہے۔ دراصل حکمرانی اور نگرانی ایک وسیع موضوع ہے۔ اسی ضمن میں دین اسلام نے اسلامی معاشرت و حکمرانی کو درجات میں تقسیم کر کے نگران مقرر کر دئے ہیں، جیسا کے حدیث میں ہے کہ ”تم میں سے ہر ایک نگران ہے اس سے اپنی رعایا کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ امیر نگران ہے اور آدمی نگران ہے اپنے گھر والوں کا عورت بھی اپنے خاوند کے گھر کی اور اسکی اولاد کی نگران ہے۔ پس تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اسکی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا“۔ یہاں تک فرمایا کے رعیت کو دھوکا دینے والے نگران پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دیتا ہے۔

موجودہ حالات کے تناظر میں اگر بات کی جائے تو بالخصوص تیسری دنیا کے ممالک میں سیاست اور جمہوریت جو کہ خدمت کے مظہر ہیں لیکن درحقیقت ایک گالی بن چکے ہیں اور جمہور اس نظام سے اکتاہٹ کا شکار ہے۔ مفاد و موقع پرست حکمرانوں نے اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لئے ریاستوں کو طبقاتی، نظریاتی اور مالیاتی تقسیم، صوبائیت و فرقہ پرستی، مذہبی انتہا پسندی اور لسانی نزاع کی بھٹیوں میں جھونک دیا ہے بلکہ ان

عوامل کی مدد سے اپنی نام نہاد سیاست کو چمکا رہے ہیں۔ ایسے حکمران مسلط ہیں جو سیاست برائے خدمت کے جذبہ سے بالکل عاری ہیں۔ ایک حکمران کو طاقت و اقتدار کا طلبگار نہیں ہونا چاہئے بلکہ خدمت اور احسان کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے مثبت عمل اور رویہ سے اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنے شہریوں پر ایک نگہبان کے طور پر سایہ فگن رہنا چاہئے۔ جیسا کے فتح مکہ کے بعد آنحضور ﷺ جب اپنے اصحابؓ کے ساتھ ایک فاتح کے طور پر داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی صفت احسان کو اپنی سنت بناتے ہوئے عام معافی کا اعلان کیا اور کفار سے اسلام دشمنی کا بدلہ نہ لیا۔ دشمنان اسلام کو نا صرف معافی دی بلکہ امان بھی دی یعنی دنیاوی فاتحین کی طرح مخالفین کی قتل و غارت گری نہ کی بلکہ حکمرانی کی اعلیٰ مثال کرتے ہوئے انسانیت کو اسکی معراج تک پہنچایا۔

بلاشبہ ریاست میں اقتدار اعلیٰ اللہ کی ذات ہوتی ہے اور دنیاوی حکمران اسکے ودعیت کردہ اختیارات، احکامات و وسائل میں رہ کر عوام الناس کی خدمت کا پابند ہے، ریاست ماں اور حکمران ایک باپ جیسا تصور پا کر اور خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر ایک فلاحی ریاست کے قیام میں اپنا بھر پور ردا کر ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی نظم ونسق، انصاف، انتظام و انصرام اور مخصوص سزاوں کے حوالہ سے اصول وضع کر دیے ہیں، نیز آج کے دور میں اسلامی طرز حکمرانی کی یہ کامیابی بھی ہے کہ جدید مغربی ریاستیں بھی اسلامی طرز زندگی اور اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے ایک کامیاب ریاستی اور معاشرتی نظام وضع اور اس پر عمل کرنے میں کامیاب ہیں۔ ان غیر مسلم مغربی ریاستوں نے اپنے نظام حکومت خاص طور پر نظام عدل اور سیاست برائے خدمت کے مشن کو کامیابی سے چلا رہی ہیں اور سید القوم خادمھم کی بہترین عکاس ہیں۔

ریاست کے اندر نظام عدل کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ عادل حکمران کا رتبہ روز حساب عرش کے سائے میں بیان کیا گیا ہے۔ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کا ریاستی نظم ونسق بھی قابل ذکر ہے، آپؓ رات کو بھیس بدل کر عوام کے مسائل جاننے کی کوشش کرتے اور انکے تدارک کے لئے اقدامات کرتے، اسی طرح آپکے دور میں صوبوں کے گورنرز کا حج کے موقع پر حاضر ہونا بھی ضروری تھا تا کہ عوام کے حقوق کا تحفظ اور ان کی شکایات کا ازالہ کیا جا سکے۔ نیز آپ نے حاکم کے دروازہ کے کھلا رکھنے کی حکمت عملی بھی اپنائی تا کہ کسی فرد کو بھی مدد یا انصاف کی باہم فراہمی میں تاخیر نہ ہو۔ کوئی بھی معاشرہ انصاف کے بغیر پنپ نہیں سکتا، نیز یہ معاشرتی روایات اور احساسات کو مضبوط کرنے کا بھی باعث ہے اور یہی اسلامی نظام حکومت کا فلسفہ بھی ہے دراصل یہ اصول بالخصوص کسی بھی اسلامی ریاست میں انفرادی سوچ جو کہ انسانی حقوق، ملکی سیاست میں سیاسی شعور اور برابری کے اصول کو وضع کرتے ہوئے ایک انصاف پسند معاشرے کے تصور کو اجاگر کرتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو لوگوں میں سے اسکے زیادہ قریب انصاف پسند حاکم ہوگا اور سخت ناپسندیدہ اور سب سے زیادہ دور ظالم حاکم ہوگا"۔ نیز اس ضمن میں مزید فرمایا کہ "اے لوگو! تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کیا کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب ان میں کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کرتے تھے"۔ آقائے دو جہاں ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ خداتعالیٰ اس امام کے لئے بھی اپنے دروازے بند کر دیتا ہے جو لاچاروں اور ضرورت مندوں کے لئے اپنے دروازے بند کر دے۔ دراصل آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد ایک حکمران کی ترجیحات کا بھی واضح تعین کر دیتا ہے، نیز یہ بھی عیاں ہے کہ آپؐ حکمران اور عوام کے درمیان باہمی رابطہ اور مضبوط تعلق کے ضمن میں خدمت اور وفاداری کے جذبہ کو حکمران کی طاقت کا سرچشمہ تصور کرتے ہیں۔

مزید برآں مثالی ریاست میں ایک مضبوط اور مربوط مالی نظام، برابری کی بنیاد پر قائم نظام تعلیم، وسائل کی برابری کی بنیاد پر تقسیم، معتدل و موزوں معاشرتی اقدار، مساوات اور بھائی چارہ کا قیام حکمران کی ترجیح ہونا چاہئے اور جو حکمران ان اوصاف پر عمل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے بلاشبہ وہ قابل تقلید و ستائش ہے۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اس تعلق میں فرماتے ہیں کہ انسانی عمل کے محاصل کو ایسے اصول پر تقسیم کرنا چاہیے کہ فرد کو بھی اسکا حق مل جائے اور قوم کو بھی اس کا حق مل جائے، اور بلاشبہ یہ ایک اہل سربراہ حکومت کی ترجیحات میں شامل ہونا چاہئے۔ اسلام نے نگران کے اصول کو مخصوص درجہ بندی میں پرو دیا ہے اور نگران سے روز حساب اسکی ذمہ داری سے متعلق سوال ہوگا عورت کے سپرد خاوند کے گھر کی نگرانی ہے، مرد اپنے گھر کا ذمہ دار ہے اور امیر اپنی رعایا کا نگران ہے۔ اور اس نظام کا حسن ایک خودکار احتساب کا عمل ہے اور یہ احتساب اس نظام کے دائرہ کار میں آنے والے تمام عناصر و اجزا کو معاشرے کی ترقی واصلاح سے جوڑتا ہے، اس سے ایک اسلامی معاشرہ مسلسل ترقی کی طرف گامزن رہتا ہے اور اسلامی شعائر کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔

ایک اہل حکمران اور نظام حکومت کے ضمن میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ انسانی تمدن کے چلانے کے لئے ایک حاکم ہونا ضروری ہے اور اس حاکم کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے مشورہ سے منتخب کیا جائے اس حاکم کا کام قانون بنانا نہیں بلکہ الٰہی قانون کو نافذ کرنا ہے یعنی انتہائی حکمت کے ساتھ آپ

نے کوزے میں دریا بند کرتے ہوئے ریاست کے نظام میں حکمران کی اہمیت و کردار ، ذمہ داری، اقتدار اعلیٰ ، جمہوریت ، آزادی، برابری ، اطاعت ، تنظیم ، یکجہتی اور نظام الٰہی کی بالادستی کو انتہائی دانائی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔نتیجتاً اگر حاکم ان تمام خصائل کا حامل ہوگا، ایمانداری اور شخصی دیانتداری اسکے کردار کا حصہ ہوگی تو اسکو عوام کی بھرپور حمایت حاصل ہوگی نیز بندگان خدا اطاعت حکمران کے دینی حکم کی بجاآوری میں اسکے شانہ بشانہ ہونگے ، بلاشبہ اس کے نتیجہ میں ایک باعمل، قابل تقلید اور باکردار سربراہ ریاست کے تحت ایک ایسی پرامن مثالی ریاست کا قیام یقینی ہے جسے تائید الٰہی بھی حاصل ہو۔

مزید برآں دیباچہ تفسیرالقرآن میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ سنت رسول کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ ”اسلام کی فتح کے بعد رسول کریم ﷺ کے پاس بہت سے اموال آتے جنہیں آپ مستحقین میں تقسیم کر دیتے، ایک دفعہ بہت سامال آیا تو آپکی بیٹی حضرت فاطمہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ دیکھئے میرے ہاتھ چکی پیس پیس کر زخمی ہو گئے ہیں۔ اگر آپؐ مجھے ان اموال میں سے کوئی لونڈی یا غلام دے دیں تو وہ میرا ہاتھ بٹادیا کرے۔ آپؐ نے فرمایا فاطمہؓ! میری بیٹی میں تم کو لونڈی یا غلام رکھنے سے زیادہ قیمتی چیز بتاتا ہوں جب تم سونے لگو تو تینتیس دفعہ الحمدللہ تینتیس دفعہ سبحان اللہ اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو...“ یعنی آقائے دوجہاں نے امور حکومت میں اقرباء پروری کا راستہ روکتے ہوئے تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے خدا تعالیٰ سے لو لگانے اور اس سے مدد مانگنے کی تلقین کی۔

احادیث مبارکہ میں حکمران کومضبوط کرنے کے ضمن میں بھی ارشادات موجود ہیں، جیسا کہ فرمایا ”جوشخص اپنے سردار اور امیر میں کوئی ایسی بات دیکھے جو اسے پسند نہ ہو تو صبر سے کام لے کیونکہ جوشخص جماعت سے ایک بالشت بھی دور ہوتا ہے وہ جاہلیت کی موت مرے گا“۔ اس ارشاد کے بظاہر دو پہلو نمایاں ہیں کہ ایک تو امیر بھی بحیثیت انسان کمزور ہے اس کے اندر باقی انسانوں کی طرح کمزوریاں یا خامیاں ہونا عین فطری عمل ہے دوسرا یہ کہ فرد بہرصورت اپنی قوم یا جماعت سے ساتھ جڑا رہے تا کہ تفرقہ سازوں کو موقع نہ مل سکے۔مزید برآں کسی بھی قوم یا جماعت کے اندر اتحاد و یگانگت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے ایک جماعت میں تفرقہ ڈالنے کی سزا موت مقرر فرمائی ہے۔ یہاں پر امیر یا حکمران کی اہمیت و ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ بلاشبہ امیر ہی قوم کے اندر یکجہتی اور اتحاد کا علمبردار ہوتا ہے۔حکمران کو یقیناً مذہبی، سیاسی، مالی اور سماجی منافرت بھری تفریق سے بالاتر ہوکر دین حق کے بیان فرمودہ راہ عمل کو اپناتے ہوئے اپنی قوم کی رہنمائی کرے ، کیونکہ یہی وہ کامیاب راہ ہے جو ایک بااصول حکمران کی رہنمائی میں قوم کو ترقی، خوشحالی اور فلاح کے راستے پر گامزن کرے گی۔

ریاست کے اندر اکثریت کا اقلیت سے تعلق، رویہ نیز چھوٹے گروہوں سے حسن سلوک اور ان کے حقوق کے تحفظ کا بھی ضامن حکمران ہے اسی طرح ذمی کا مقام اور مواقع کا حصول بھی متفرق ملکی قوانین کے ذریعہ سے حکمران کی طرف سے حسن معاشرت کی ایک نمایاں خوبی متصور کی جا سکتی ہے، کیونکہ اسلام میں حکمرانی کا اصل مقصد خدمت ہے۔ دراصل دین حکمران کو بلاتفریق انسانی اقدار کے تحفظ کا ذمہ دار بناتا ہے اور اس پر جوابدہ بھی۔ نیز دین اسلام نے خاص طور پر اسلامی ریاست میں ذمہ داریوں کی بجا آوری سے متعلق پورا نظام متعین کیا ہے۔ احتساب، انسانی حقوق کا تحفظ، ریاست میں مساوات اور بھائی چارہ، خاص طور پر شوریٰ کے نظام کے حوالہ سے قرآن و احادیث میں واضح احکامات موجود ہیں۔ باہم مشورہ یا نظام شوریٰ کی اہمیت کا ذکر قرآن مجید سورۃ الشوریٰ کچھ اس طرح ہے کہ ”انکا امر باہمی مشورہ سے طے ہوتا ہے“ اسکی تشریح میں حضرت خلیفتہ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں کہ ”مشورہ کرنا ایسا پاک اصول ہے کہ اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی نصرت اور برکت عطا ہوتی ہے اور انسان کو ندامت نہیں ہوتی... دیکھو ہر انسان ایسی پختہ عقل اور فہم رساں کہاں رکھتا ہے کہ خود بخود اپنی عقل سے ہی ساری تدابیر کرلے۔ اور کامیاب ہو جاوے۔ یہ ہر ایک انسان کا کام نہیں۔ اس واسطے مشورہ کرنا ضروری رکھا گیا۔“ یعنی متوازن نظام حکومت میں حاکم کا مشورہ کا نظام خود حاکم کے لئے آسانی اور فراست کا باعث ہے۔

لیکن خدائے بزرگ و برتر حکمران کے بھی کمزور ہونے اور بشری تقاضوں کی وجہ سے اور اگر وہ نیک نیت ہے تو وہ اپنی رحمت سے اسکی طرف جھکتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ”جب کوئی حاکم سوچ سمجھ کر اور پوری تحقیق کے بعد فیصلہ کرے اگر اسکا فیصلہ صحیح ہے تو اسے دو ثواب ملیں گے اور اگر باوجود کوشش کے اس سے فیصلہ غلط ہوگیا تو اسے ایک ثواب اپنی کوشش اور نیک نیتی کا بہر حال ملے گا۔“ پس کسی حکمران کی فہم و فراست، رحم کا جذبہ اور بندگان خدا کی خدمت کا احساس ہی صرف کامیابی کی ضمانت اور حاصل بحث ہے۔ یہ حکمران کی ذمہ داری ہے کہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق نظام حکومت کو ڈھالیں اور یقیناً عوام کی فلاح و بہبود اسکا مطمع نظر اور ترجیح ہونی چاہئے۔ نیز سید القوم کو اس بات کا بھی ادراک ہونا چاہئے کہ رائج الوقت اصول و قانون بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے ہوں نا کہ تنگی کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کے حالات کی کسوٹی پر کسی حکمران کی اہلیت کو با آسانی پرکھا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ خوف خدا اور خلق خدا کی حاجت روائی حکمران کا مطمع نظر و ترجیح ہونی چاہئے۔

مجلس انصار اللہ وان نارتھ ایسٹ کا لوکل اجتماع کا انعقاد

(رپورٹ: غلام احمد عابد منتظم اشاعت)

محض اللہ تعالی کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے مجلس انصار اللہ وان نارتھ ایسٹ نے مورخہ 3/ مئی 2026ء بروز اتوار بعد نماز ظہر بیت السمیع میں اپنا لوکل اجتماع منعقد کیا۔ اس پروگرام کی صدارت مرکزی نمائندہ مکرم عامر رانا صاحب ایڈیشنل قائد تربیت مجلس انصار اللہ کینیڈا نے کی۔

خاکسار غلام احمد عابد نے تلاوت قران کریم کی اور تلاوت کردہ آیات کا ترجمہ سنایا۔ اس کے بعد مکرم رانا صاحب نے عہد دہروایا۔ حاضرین کی دلچسپی کو قائم کرنے کے لئے تمام شاملین کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر کے ایک ایک موضوع دیا گیا جس پر گروپ کے ممبران نے اپنی اپنی رائے دی۔ جس کے بعد تمام گروپ لیڈرز نے اپنے موضوع پر بحث کا خلاصہ پیش کیا۔ اس طرح پر ناصر نے گفتگو میں حصہ لیا۔ اس طریق پروگرام کو بہت پسند کیا گیا۔

بعدہ مرکزی نمائندہ مکرم عامر رانا صاحب ایڈیشنل قائد تربیت نے تربیتی امور سے متعلق انصار سے خطاب کیا۔ اس کے بعد مجلس شوری کے لئے نمائندگان کا انتخاب کروایا۔

اس پروگرام کے دوسرے سیشن میں علمی مقابلہ جات ہوئے۔ جن میں تلاوت، نظم، اردو اور انگریزی میں تقاریر کے علاوہ حفظ قران کا مقابلہ شامل ہے۔ اس کے بعد ذہنی مقابلہ مشاہدہ معائنہ کا انتظام کیا گیا۔

آخر میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ اس پروگرام 35 انصار نے شمولیت کی۔ پروگرام شروع ہونے سے پہلے کھانا پیش کیا گیا۔

زاوية العرب

آية قرآنية "تثبت أن قتل المرتد بسبب ردته ليس حكما إسلاميا"

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩١﴾ إِنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَى بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٩٢﴾ (آل عمران:91-92)

تعليق:

ويُعد الاعتقاد "بقتل اهل الردة" واحداً من الاتجاهات الخاطئة والنظريات الباطلة، التي اضرت بالاسلام والمسلمين عبر التاريخ، ونشأ هذا الاعتقاد نتيجة تأثيرات سياسية دفعت الحكام لاستخدام بعض العلماء لينشروا هذه الأفكار للتخلص من خصومهم باسم الدين، وقد رضخ هؤلاء العلماء خشية او لتحقيق مصالح شخصية، لكن للأسف فان معظم العلماء الذين جاؤوا من بعدهم، والذين تربوا في مدارسهم الفكرية ايضا قبلوا هذه النظرية الخطيرة غير الاسلامية بدون نقد وفحص.

كانت لهذه النظرية الفاسدة عواقبها الوخيمة حيث صار العلماء المسلمون انفسهم يُرمَون بالارتداد عن الاسلام لأدنى اختلاف. فقام بعض ذوي النفوذ من الحكام والمشايخ باستخدام هذا السلاح ضد معارضيهم بكثرة وبدون هوادة.

ومن مخاطر هذه النظرية الفاسدة انها اصبحت سلاحا فتاكا يحمله اعداء الاسلام ضده.

يوجد في القرآن العديد من الآيات القرآنية تذكر موضوع الارتداد وتناقشه بصراحة ووضوح، وفي الوقت نفسه فانها تخلوا من ذكر قتل المرتدين، وتخالف الزعم الفاسد عن قتل المرتد، وهذه الآيات تعتبر

دليلا على بطلان هذه العقيدة.

تأملوا في قوله تعالى: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا، وفكّروا لو ان هؤلاء الذين ذكروا في الآية قد ضربت اعناقهم فور ارتدادهم، فمتى وكيف استطاعوا ان يزدادوا في الكفر؟!

يحاول بعض العلماء الاستدلال من هذه على وجوب قتل المرتدين، لكن استدلالهم خطأ.

يقولون: يُفهم من قوله تعالى: لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ، انهم يُقتلون على اية حال.

والرد على هؤلاء هو في الآية التالية، اذ انها تبطل هذا الاستدلال كلية، حيث يقول تعالى: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ، اي ماتوا في حالة الكفر. ولم يقل الله تعالى: ان الذين كفروا وقتلوا وهم كفار، بل قال: مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ... اي ماتوا موتا طبيعيا حال كونهم كافرين.

ثم قوله تعالى: فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَى بِهِ ... قد اوضح الموضوع تماما حيث اخبر بأن لا دخل للبشر في قبوله توبة المرتدين في هذه الدنيا، بل في الآخرة ايضا لن يقبل منهم اي فدية مهما عظمت. وحيث ان هؤلاء يموتون في حالة الكفر، فلا بيع ولا شراء يوم القيامة ايضا، بل لهم عذاب اليم، وليس لهم من ناصر يدفع عنهم.

فلا سلطة لأي انسان ان يعذب هؤلاء المرتدين في الدنيا، وبالتالي هذه الآية تبطل هذه العقيدة وتضع الحكم بيد الله وحده

حديث شريف "استغفار النبي ﷺ وتوبته يوميا"

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: "وَاللَّهِ إِنِّي لأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً"

(صحيح البخاري، كتاب الدعوات)

تعليق:

مِن لُطفِ الله عزَّ وجلَّ بعِبادِه انْ يَسَّرَ لهمْ ابوابَ التَّوبةِ، والاستغفارَ.

وفي هذا الحديثِ يُقسِمُ رَسولُ الله ﷺ وهو الصَّادقُ المَصْدوقُ- انَّه يَتُوبُ الى الله تعالَى ويَستغفِرُه في اليومِ اكثرَ مِن سَبعينَ مرَّةً، مع انَّه المعصومُ مِن ربِّ العالَمين؛ وذلك تَشريعًا وتَعليمًا لأُمَّتِه صَلواتُ ربِّي وسَلامُه عليه، وطَلَبًا لفضْلِ الله تعالَى وكَرَمِه.

والقَسَمُ لتأكيدِ الخَبَرِ.

وجاء عنه ﷺ قال: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، تُوبُوا إِلَى اللَّهِ ؛ فَإِنِّي أَتُوبُ فِي الْيَوْمِ إِلَيْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار)

فالعددُ: المرادُ مِنه الاشارةُ للكثْرةِ، وليس المرادُ الحَصرَ فيه.

لقد استخدم القرآن الكريم لفظ الاستغفار بمفاهيم واسعة، منها:

استغفار عامة المؤمنين: ان صدر من العبد المعاصي، فان العبد يسأل ربه سبحانه وتعالى، ان يحميه من عقوبة ما صدر منه.

استغفار المؤمنين الكاملين: يتعلق استغفارهم بالتقصير في اصلاح القوم، فانه ان صدر منهم هذا النوع من التقصير فانهم يلجؤون الى الله تعالى ليغضّ الطرف عنهم ويعوّضهم.

من كلام الامام عليه السلام "حقيقة الاثم والتوبة"

"ان حقيقة الاثم ليست ان الله تعالى خلق الاثم، ثم بعد آلاف السنين فكّر في غفرانه، كلا، بل كما ان للذباب جناحين، جناحا فيه شفاء وجناحا ذا سمّ، كذلك للانسان جناحان، جناح المعاصي والآثام وجناح الخجل والندم والتوبة. هذا امر لا نقاش فيه، فمثلا عندما يضرب المرء عبده بشدة يأخذه الندم بعد ذلك، وهذا يعني ان جناحيه هذين يتحركان في وقت واحد. فلا شك ان مع السمّ ترياقا.

اما السؤال: لما خُلق السمّ؟ فجوابه: مما لا شك فيه ان الاثم سمٌّ، ولكن هذا السمّ يصبح اكسيرًا وشفاءً بعد مروره بعمليات الدقّ والحرق طويلا. ولولا الشعور بالاثم لازداد في المرء سمُّ الكبر وهَلَكَ، ولكن التوبة تتداركه. فالحق ان الشعور بالاثم لا يفتأ يحمي الانسان من آفة الكبر والعُجب. وما دام نبينا المعصوم ﷺ يستغفر الله سبعين مرة، فكم بالحري بنا ان نستغفر الله تعالى. ولا يأنف التوبة الا من اصبح راضيا بالاثم، اما الذي يرى الاثم سُمًّا فسوف يتوب عنه في نهاية المطاف.

ورد في الحديث الشريف ان المرء حين يستغفر الله تعالى باكيًا مرة بعد اخرى يقول الله له في النهاية: "اعملْ ما شئت فقد غفرتُ لك". وانما مراد ذلك ان الله تعالى يغيّر ما بقلبه، فيكره الاثم طبعًا. اذا راى المرء الشاةَ تأكل النجاسة كره اكل لحمها، كذلك مَن غفر الله له لا يرتكب الاثم. ان المسلمين يكرهون اكل لحم الخنزير طبعًا وفطرةً، مع وقوعهم في آلاف المنكرات الأخرى التي هي حرام وقد نهوا عنها. ما الحكمة في ذلك؟ الحكمة ان الله تعالى قد جعل ذلك نموذجا واضحا للكراهية تعليمًا للناس ان عليهم ان يكرهوا الاثم على هذا النحو".

(الملفوظات، مجلد1، ص 3-4)

في رحاب التفسير

من التفسير الكبير لحضرة الحاج مزرا بشير الدين محمود أحمد رضي الله عنه، الخليفة الثاني للمسيح الموعود عليه السلام

وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (النصر:4)

شرح الكلمات:

وَاسْتَغْفِرْهُ: غفَر الشيء غفرًا: ستَره؛ وغفَر المتاع في الوعاء: ادخله وستَره؛ وغفر الله له ذنبه: غطّى عليه وعفا عنه (الأقرب).

وورد في المفردات: الغفرُ: الباس ما يصونه عن الدنس، ومنه قيل: اغفرْ ثوبك في الوعاء.

وعليه، فقوله تعالى: وَاسْتَغْفِرْهُ يعني: اسأل الله تعالى ان يغفر ضعفك البشري، اي ادعوه عزوجل الاّ يتطرق اي فساد في امتك، بل تظل سائرة على الصراط المستقيم.

التفسير:

لقد امر الله تعالى رسوله ﷺ هنا بالاستغفار قائلا: وَاسْتَغْفِرْهُ، بينما قال له في مواضع اخرى: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ، فينشأ هنا سؤال: بأي معنى كان استغفار الرسول ﷺ؟ فهل كان ﷺ يستغفر لأنه صدر منه بعض الآثام، فأمره الله تعالى ان يدعوه ان يقيه من عقوبتها؟ ام ان لاستغفاره مفهوما آخر؟

ما زال المسيحيون يعترضون على المسلمين مستدلين بهذه الآيات قائلين: انظروا الى رسولكم، فهو

كان آثما ولذلك أُمر بالاستغفار، بينما لم ترد اي كلمة بهذا المعنى في حق المسيح، فثبت انه لم يكن آثما (تفسير القرآن للقس "ويري").

وقد واجه المسلمون في الردّ على طعنهم هذا مشكلة كبيرة. لقد حاولوا كثيرا الرد عليهم، ولكنهم لم ينجحوا في ذلك قبل المسيح الموعود عليه السلام، ومن اجل ذلك قد تنصر الآلاف منهم، حتى كان من السادات (الأشراف) من ارتدّوا وتنصّروا. لقد خدعهم المسيحيون بورود لفظ الاستغفار بحق الرسول ﷺ في القرآن الكريم، فوقعوا فريسة لخداعهم، بدلاً من ان يردّوا عليهم.

ولمعرفة مفهوم الآيات التي ورد فيها لفظ الاستغفار بحق الرسول ﷺ، ينبغي ان نضع في الحسبان دائمًا ان الرسول ﷺ قد بُعث لهداية العالم وليجعل الضالين المنحرفين الذين لا دين لهم اناسًا ربانيين، ولكي يطهر العصاة والآثمين من ذنوبهم ومعاصيهم. وقد بيّن الله تعالى مكانته السامية بقوله قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران 23) اي: ايها الرسول، اعلِنْ بين الناس انهم اذا كانوا يحبّون الله فعليهم ان يتّبعوك، فيصبحون من احبّاء الله.

ثم قال الله تعالى: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الأحزاب 22) اي: ايها المسلمون، انّ لكم قدوة حسنة في رسولنا هذا، فاذا اردتم ان تكونوا من عبادنا المقبولين المقربين، فأسهلُ سبيل لذلك ان تتّبعوا هذا الرسول في اقواله وافعاله وحركاته، لأنها اقوال الله وافعاله وحركاته؛ فقد قال الله تعالى: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللهَ رَمَى (الأنفال:81) اي يا محمد، لم ترمِ تلك الحفنة من الحصى، بل ان الله رماها.

ثم وصف الله نبيه ﷺ وقال: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (النجم: 4 - 5). فالنبي الذي يحظى الناسُ باتّباعه بلقاء الله وحبّه تعالى، وجعله الله اسوة حسنة لهم، واعتبر اقواله وافعاله بمنزلة اقوال الله وافعاله سبحانه وتعالى، يستحيل ان يعني استغفاره انه قد ارتكب اثمًا، فأَمَرَه الله تعالى ان يدعوه ليقيه من مغبة اثمه؛ ذلك ان الرسول اذا كان هو عرضة للاثم والمعصية، فكيف يأمر الله الناس باتّباعه؟ وكيف يجعله اسوة حسنة لهم؟ مما يدل دلالة واضحة على انه ﷺ كان منزّهًا عن كل معصية واثم، ولم يكن استغفاره ليحميه الله تعالى من مغبة الآثام، وانما كان بمفهوم آخر.

والسؤال هنا: ما هو ذلك المفهوم الذي أُريدَ من استغفار الرسول ﷺ هنا؟

اعلمْ انّ الله تعالى قد اخبر في اوائل هذه السورة (سورة النصر) انه سيظل ينصر المسلمين بعد وفاة النبي ﷺ ايضا، وسيفتح عليهم ابواب الفتوحات والانتصارات، وسوف تتبارك الأمم منه ﷺ بعد وفاته، كما كانت تحظى ببركاته في حياته؛ اي قد اخبر الله تعالى نبيّه ان الناس سيدخلون في الاسلام الوفا مؤلفة في وقت واحد. والبديهي ان قومًا اذا احرزوا الانتصار، فتنشأ بينهم وبين الأمة المهزومة صلات، وتتسرب سيئات المغلوبين الى الغالبين، ومن اجل ذلك نجد ان الأمم الغالبة تتأثر دائمًا بمظاهر الترف والبذخ في البلاد التي تمرّ بها. ثم ان الفتوحات العظيمة تأتي بقوم هم اكثر عددا من الفاتحين بكثير، فيصعب تعليم هذه الأفواج الجديدة ورفْع مستواهم الديني بسرعة، بل ان الأمم المنتصرة تتأثر من سيئات الشعوب المنهزمة عند الاختلاط بها، بدلاً من ان تنفعها بما عندها من خلُق ومُثُل، مما يؤدي بالتدريج الى نتائج مدمرة. والحق ان زمن تقدُّم أُمة وانتشارها وكثرتها، هو زمن انحطاطها وزوالها ايضا. فكان طبيعيا ان يصاب النبي ﷺ بالقلق عند خبر الفتوحات الاسلامية، فخاف ان تؤدي الى بداية انحطاط امته، واخذه القلق على تربية هؤلاء المسلمين الجدد على ما يرام؟ اذ لن يتيسر لهم استاذٌ كامل وهادٍ كامل ومزكٍّ عظيم مثل محمد ﷺ. فجوابًا على افكاره هذه امَر الله تعالى رسوله ﷺ: وَاسْتَغْفِرْهُ اي يا محمد، لقد ادّيتَ واجب تربية المسلمين وتزكيتهم على افضل وجه، ومسؤوليتك هذه ستنتهي حينما تعود الينا

الآن، وسنتكفل بأمتك، فلا داعي للقلق. نعمْ، يمكنك ان تعمل ما بوسعك، فادعُ الله تعالى وتوسّلْ اليه بأن لا يحفظ المسلمين ولا ينصرهم فقط، بل يهيئ الأسباب لتربية الجدد منهم، فيجتنب كلهم الزلّةَ والعثار، واذا تطرّقَ اليهم فساد او خلل اصلحه الله برحمته.

مما يعني ان استغفار النبي ﷺ ما كان لنفسه، بل كان لأمته، فكان يدعو الله تعالى ان يحفظها، فلا يقع فيها اي فساد روحاني، واذا وقع، هيّأ الأسباب لاصلاحهم.

ويتضح من الروايات ان الرسول ﷺ كان قد بدا الدعاء بحسب هذا الأمر الرباني (الدر المنثور)، وقد اكدت الأحداث فيما بعد ان الله تعالى قد استجاب دعاءه، واصلح كل خللٍ، وقضى على كل فتنة في امته بُعيد وفاته، كما هيأ الأسباب للقضاء على كل فتنة تقع في المستقبل. فاننا نرى انه لما وقعت فتنة الردة ومنكري الزكاة قضى الله عليها قضاء لا نظير له، وعاد الاسلام كما كان، ولولا القضاء على تلك الفتنة لما عاد الاسلام الى نقائه وصفائه.

ثم عندما دخل النصارى بكثرة في الاسلام في زمن انتصاراته واتوا معهم بعقيدة ان المسيح حي، وانه البريء الوحيد من الاثم، اما سائر الناس بمن فيهم الرسول ﷺ فهم آثمون! وقد انتشرت هذه العقيدة المسيحية الخاطئة بين المسلمين على نطاق واسع، حتى انتهزت المسيحية سوء فهمهم هذا لله جوم على الاسلام، مما جعل المسلمين يتنصّرون، الى ان اقام الله تعالى سيدنا المسيح الموعود عليه السلام للقضاء على هذه الفتنة الصمّاء ولحماية الأمة بعد الرسول ﷺ بأربعة عشر قرنا، فاستردّ للاسلام مجده الغابر، حتى ان الاسلام الذي لم يقدر على الدفاع من قبل، بل كان اهله يرتدّون عنه قد شنّ هجوما مضادا على المسيحية والأديان الأخرى، فانهزمت في هذه المعركة، واخذ اتباعها يدخلون في الاسلام بكثرة. ويوشك ان يرى كل شخص بأم عينيه غلبة الاسلام المادية، ويرى ضُعْفه قد تحوّلَ الى قوة. وليس كل هذا الا نتيجة استغفار الرسول ﷺ ودعائه. يتبع

نصائح من سيدنا أمير المؤمنين أيده الله بنصره العزيز عن التوبة

يقول الله تعالى في القرآن الكريم: وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى (البقرة: 198)

فالشرط الأول للسير على دروب التقوى هو التوبة، تلك التوبة الحقيقية التي تُباعد بين المؤمن وذنوبه دائمًا. يقول سيدنا المسيح الموعود عليه السلام بهذا الصدد:

"حين يواظب المرء على التوبة يوفِّقه الله تعالى للتوبة النصوح بحيث تزول عنه السيئات نهائيًّا، وتصدر منه الأعمال الحسنة والأفعال الحميدة".

اما كيف يمكن الدوام على ذلك، فقد اخبرَنا حضرتُه عليه السلام ان على الانسان ان يعقد العزم على انه لن

يقترب من السيئات والذنوب. فاذا استمر على هذه الحالة فسوف تحل الأخلاق السامية مكان السيئات، وستصدر منه افعال محمودة.
فهذه هي التوبة الصادقة التي ستوفر لكم الزاد الحقيقي. وعندها يمكن القول ان هذا الانسان يحاول فعلاً ان يفوز برضوان الله تعالى، فلن ينظر الا الى الله ليستعين به ويستنصره، واذا تحقق له هذا تنبه الى ضرورة التحلي بصفات المؤمنين الأخرى المذكورة في الآية: التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (التوبة:112)، والتي منها: عبادة الله ، والخضوع له خضوعا تاما، والسعي ليكون كل عمله تابعًا لمرضاة الله. ثم اذا تيسر له هذا المقام واتصف بهذه الصفة فالحالة الثالثة او الصفة الثالثة المذكورة في هذه الآية هي الحمد ... اي انه يصبح من المؤمنين الحامدين. فالمؤمن يحمد الله ويثني عليه في كل حال، في اليُسر والعسر، وفي الحل والترحال."

(مقتبس من خطبة الجمعة لسيدنا امير المؤمنين ايده الله تعالى بنصره العزيز، الخليفة الخامس للمسيح الموعود عليه السلام في 2008/4/11)

معلومة عن التماسيح

هل تعلم ان التمساح لا يستطيع اخراج لسانه من فمه اطلاقاً؛ وذلك لأنه مربوط بالكامل بأسفل الفك بواسطة غشاء جلدي، كما ان حجمه صغير ومسطح ولا يمكنه تحريكه.
ونظراً لعدم قدرته على استخدام لسانه للمضغ او البلع، يتناول التمساح فريسته عن طريق ابتلاعها قطعاً كاملة.

إعلان هام

"وثيقة البيعة باللغة العربية"

يمكنكم الحصول على وثيقة البيعة باللغة العربية من خلال موقعنا الرسمي، ولمن يرغب بالانضمام الى الجماعة الاسلامية الأحمدية يمكنه ملء الاستمارة وارسالها من خلال الرابط:
https://www.islamahmadiyya.net/baiat.asp